بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ

کچھ یادیں۔ کچھ تاثرات

سید جلال الدین عمری

کن الفاظ میں اور کس طرح لکھا جائے کہ میرے استاذ اور مربی مولانا صدرالدین اصلاحیؒ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۳؍ نومبر ۱۹۹۸ء مطابق ۲۳؍ رجب ۱۴۱۹ھ جمعہ کے دن صبح چھ بج کر دس منٹ (۶-۱۰) پر جس وقت آفتاب اپنی ضیا پاشیوں سے ماحول کو منور کر رہا تھا، علم و فکر کا ایک آفتاب اپنی تابانی ختم کر کے غروب ہو گیا۔ ایک طرف مادی دنیا روشن ہو رہی تھی، دوسری طرف علم دین اور فہم و بصیرت کا چراغ شب تاب گل ہو رہا تھا: يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ الحدید: ۶ (وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ وہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے)

علالت اور رحلت

مولانا کی صحت تقریباً بیس برس سے ناساز ہی چلی آرہی تھی۔ اس طویل عرصہ میں بیماری اور کمزوری نے ساتھ نہ چھوڑا۔ البتہ نشیب و فراز آتے رہے۔ کبھی صحت بہتر ہوتی مولانا ہشاش بشاش اور خوش و خرم نظر آتے اور تھوڑا بہت لکھنے پڑھنے کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا۔ دوست احباب اور عقیدت مندوں کو بھی ایک طرح کا اطمینان ہوتا کہ دین کے اس مخلص خادم سے استفادہ کا سلسلہ ابھی جاری رہےگا۔ دو ایک بار کئی ماہ کے بعد ملاقات کا اتفاق ہوا تو میں نے صحت بہتر دیکھی، عرض کیا، مولانا چشم بد دور اب تو صحت اچھی لگ رہی ہے۔ مسکرا کر فرمایا۔ ٹھیک کہتے ہو کئی سال سے اتنی اچھی صحت نہیں تھی۔ آج کل میری غذا بھی بڑھ گئی ہے۔ بے خوابی کی شکایت

کبھی نہیں رہی۔ نیند خوب آرہی ہے اور پھر بہت کھل کر باتیں کرتے، تصنیف و تالیف کا پروگرام بناتے۔ کبھی یہ بھی دیکھا کہ علالت اور نقاہت کی وجہ سے تھوڑی دیر گفتگو کے بعد تکان محسوس کرنے لگتے اور گفتگو کسی دوسرے وقت کے لیے ملتوی ہو جاتی۔ فرماتے اس عمر میں صحت کے پوری طرح بحال ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ کچھ ادھورے کام ہیں۔ ان کی تکمیل چاہتا ہوں۔ دعا کرو کہ اتنی توانائی آجائے کہ وہ پورے ہو جائیں۔" خاص بات یہ کہ اس پورے عرصہ میں شاکی نہیں پایا۔ گلہ شکوہ سے زبان پاک رہی۔

مولانا کے بڑے صاحبزادے برادرم ڈاکٹر اختار احمد نے بتایا کہ" ادھر طبیعت نسبتاً بہتر تھی۔ چند ماہ قبل بعض عوارض لاحق ہو گئے تھے وہ بھی ختم ہو رہے تھے۔ انتقال سے تین چار روز پہلے کافی تیز بارش ہوئی۔ اس کے اثر سے بخار، نزلہ اور بلغم کی شکایت رہنے لگی، جو بالعموم بارش اور سردی کے موسم میں ہو جایا کرتی تھی۔ تین دن طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب رہی۔ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب میں بار بار کم از کم دس بارہ مرتبہ استنجا کی ضرورت محسوس کی۔ میں استنجا کراتا اور وقفہ وقفہ سے دوا دیتا رہا۔ فجر کے قریب میری آنکھ لگ گئی۔ جیسے ہی اذان ہوئی آواز دی کہ اذان ہو گئی ہے جاؤ نماز پڑھو۔ میں مسجد چلا گیا۔ خود بھی نماز کے لیے اٹھے۔ تیمم کیا۔ بہن نے سہارا دے کر نماز کی چوکی تک پہونچایا تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ ابا پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو رہی ہے۔ وہ انھیں وہیں لے کر بیٹھ گئی۔ فوراً مجھے اطلاع دی گئی۔ میں دوڑا ہوا گھر پہونچا۔ نبض دیکھی تو بہت کم زور محسوس ہوئی۔ میں نے انجکشن کے لیے سرنج بھری اور دوبارہ نبض دیکھی تو ابا اپنے رب کے پاس جا چکے تھے۔" کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ الرحمٰن: ۲۶، ۲۷ (زمین پر جو کچھ بھی ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو بزرگی اور عظمت والی ہے)

تدفین میں شرکت

مولانا کے انتقال کی خبر بذریعہ ٹیلیفون جیسے ہی مرکز پہونچی غم واندوہ کی فضا چھا گئی۔ ہر شخص کی زبان پر مولانا کی عظمت کا ذکر تھا۔ ہر ایک اپنے انداز میں رنج وافسوس کا اظہار کر رہا تھا۔ محترمی مولانا محمد سراج الحسن صاحب مدظلہ امیر جماعت اسلامی ہند اپنے

کمرہ میں دل گیر اور ملول بیٹھے ہوئے تھے۔ فوراً طے فرمایا کہ یہ عاجز اور مولانا محمد رفیق قاسمی سکریٹری جماعت اسلامی ہند تجہیز و تکفین میں شریک ہوں اور مرکز کے ذمہ داروں کی طرف سے تعزیت ادا کریں۔ حالانکہ ہم سب تعزیت کے مستحق تھے۔ ۵۰-۱۰ پر بنارس کے لیے فلائٹ تھی۔ ہم دونوں اس سے روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔ مولانا کے چھوٹے داماد عزیزم محمد شعیب نے اپنی اہلیہ اور بچی کے ساتھ اسی فلائٹ سے روانگی کا ارادہ فرمالیا۔ مولانا مرحوم کی بڑی صاحبزادی جو اس وقت دہلی میں موجود تھیں وہ بھی ساتھ تھیں۔ اللہ کا کرم بروقت اور بغیر کسی دشواری کے سب کو ٹکٹ مل گئے۔ جہاز ایک گھنٹہ کی تاخیر سے روانہ ہوا۔ بنارس ایرپورٹ پر جامعۃ الفلاح کی گاڑی موجود تھی۔ بنارس سے ماسٹر عبدالرؤف صاحب اور مولانا عبدالسلام بھی ساتھ ہو گئے۔ ہم لوگ ۲½ بجے کے لگ بھگ پھول پور مولانا کے گھر پہونچ گئے۔ غسل دیا جا چکا تھا۔ تجہیز و تکفین کے بعد مولانا کا جسدِ خاکی دیدار کے لیے رکھا گیا تھا۔ سب لوگ آخری دیدار کر رہے تھے۔ میں نے بھی دیکھا اور اس خیال سے دیکھا کہ اب اس دنیا میں اپنی اس محترم شخصیت کو کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔ بعد مغرب تدفین کا فیصلہ ہوا۔ ایک صاحبزادی کا انتظار تھا۔ خدا کا شکر ہے وہ مغرب سے کچھ قبل پہونچ گئیں۔
عزیزم رضوان احمد (لندن) اور عزیزم فرحان احمد (پاکستان) دوری کی وجہ سے نہ پہونچ سکے۔
بعد مغرب جنازہ اٹھا۔ اطراف و اکناف سے مولانا کے معتقدین اور چاہنے والے پہونچ گئے۔
جامعۃ الفلاح بلریا گنج اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے اساتذہ اور سینئر طلبا بھی شریک تھے۔
ڈھائی تین ہزار کا مجمع رہا ہوگا۔ ۷ بجے پھول پور کی عیدگاہ میں نماز ہوئی۔ نماز برادرم مولانا رفیق قاسمی صاحب نے پڑھائی۔ اسی سے متصل قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ اس طرح دین کے ایک مخلص خادم اور اس کے بہترین شارح اور ترجمان کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ میرے لیے سانحہ تھا کہ چالیس برس کے تعلقات کا مادی رشتہ ٹوٹ گیا۔ صرف ایک روحانی تعلق باقی رہ گیا ہے۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد كما ينقى الثوب الابيض من الدنس۔

ایک عظیم شخصیت اُٹھ گئی

مولانا اپنے علم و فہم اور دینی بصیرت کے لحاظ سے برصغیر ہی کے نہیں عالمِ اسلام

کے ممتاز فرد تھے، لیکن اپنی خاموشی طبعی اور استغنا کی وجہ سے ملکی، سیاسی اور ملیّ سرگرمیوں میں کم ہی نظر آتے تھے۔ حالانکہ ان سے کم تر سطح کے اور چھوٹے قد کے لوگ ابھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جب بھی کوئی موقع ملے تو نمایاں ہونے اور اپنے وجود کا احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولانا اسے سخت ناپسند کرتے تھے۔ مولانا کی شخصیت اس سے بہت بلند تھی۔

مولانا کا سراپا

مولانا کا رنگ گندمی تھا۔ دبلے پتلے، چھریرے بدن کے اور کشیدہ قامت تھے۔ انتقال تک بھی اس سرو قدی میں فرق نہیں آیا۔ گفتگو آہستہ آہستہ اور رک رک کر کرتے، چلتے تیز قدم سے تھے، غذا اور لباس میں سادگی نمایاں تھی۔ آخری دور میں صاحب زادگان کی توجہ سے غذا میں تھوڑا سا اہتمام ہونے لگا تھا۔ اس کی ایک وجہ علالت بھی تھی۔ لباس سادہ ہی رہا۔ بغیر کالر کے قمیص اور تنگ موری کا پائجامہ اور کپڑے کی ٹوپی عام لباس تھا۔ سردیوں میں زیادہ تر گرم چادر اوڑھے رہتے۔ موسم کے لحاظ سے شیروانی بھی استعمال میں رہتی۔ ایک وہ وقت بھی دیکھا کہ اپنی دس بارہ سال پرانی شیروانی الٹ کر سلوائی تھی۔ اس وجہ سے کاج اور بٹن کا رخ بدل گیا تھا۔ ہنس کر فرماتے بہت پرانی شیروانی ہے لیکن ابھی تک گرم ہے۔ لکھنے کے لیے ہمیشہ پن (Pen) استعمال کرتے۔ کبھی کبھی پنسل سے بھی کام لیتے۔ خط بہت نفیس اور عمدہ تھا۔ تحریر بالکل صاف اور واضح ہوتی۔ ایک ایک نقطہ اور شوشہ اپنی جگہ پر ہوتا۔

مولانا بہت زیادہ سوشل نہیں تھے۔ کسی قدر کم آمیز تھے لیکن مزاج میں خشکی بالکل نہ تھی۔ حلقہ احباب میں خاصے بے تکلف ہوتے اور بہت کھل کر باتیں کرتے۔ مولانا کی زندگی میں نماز باجماعت کا خاص اہتمام تھا۔ بیماری اور کمزوری کی حالت میں بھی مسجد جانے اور جماعت میں شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ بہت ہی مجبوری یا غیر معمولی نقاہت ہی کی حالت میں گھر پر نماز ادا فرماتے۔ آخر عمر میں نماز میں خشوع اور انابت کی کیفیت زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔ مسنون اذکار اور دعاؤں کا بھی ممکنہ حد تک اہتمام کرتے۔

مختصر حالات زندگی

مولانا صدرالدین اصلاحی ۱۹۱۶ء میں اعظم گڑھ کے ایک گاؤں سیدھا سلطان پور میں پیدا ہوئے۔ مولانا کے والد جلیل احمد خاں مرحوم حافظِ قرآن تھے اور زندگی بھر درس و تدریس میں لگے رہے۔ مولانا کی ابتدائی تعلیم موضع بندول (علامہ شبلی نعمانی کا وطن) میں ہوئی جو آپ کا نانیہال تھا۔ بلریا گنج سے مڈل پاس کیا۔ ۱۹۲۹ء میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں داخلہ لیا (نمبر داخلہ ۱۲۰۹) اور ۱۹۳۷ء میں فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں بھی بہ حیثیت طالب علم رہے۔ لیکن اس کی مدت چند دنوں سے زیادہ نہیں رہی۔

مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی سے تعلق

مولانا صدرالدین اصلاحی کو دورِ طالب علمی ہی سے تحریر و تصنیف کا ذوق رہا ہے۔ یہی ذوق مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی سے تعلق کا ذریعہ بنا۔ مولانا کا مقالہ "مسلمان اور امامت کبریٰ" ۱۹۳۷ء میں ماہنامہ ترجمان القرآن جیسے وقیع رسالہ میں شائع ہوا۔ (یہ مقالہ اب ۱۹۹۸ء میں مولانا کے صاحبزادے عزیزم رضوان احمد فلاحی کے اہتمام سے کتاب کی شکل میں شائع ہوا ہے) مولانا مودودی کی مردم شناس نگاہوں نے دیکھ لیا کہ اس نوجوان میں تحریر کی غیر معمولی صلاحیت ہے اور وہ دین کا بہترین خادم بن سکتا ہے۔

اسی زمانہ کی بات ہے کہ چودھری نیاز علی صاحب نے اپنی بہت بڑی جائیداد (جمال پور، پٹھان کوٹ) وقف کی اور مولانا مودودی کو پیش کش کی کہ وہ وہاں اپنے منصوبہ کے مطابق کام کریں۔ چنانچہ مولانا ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو حیدرآباد سے جمال پور، پٹھان کوٹ پہونچ گئے اور اکتوبر ۱۹۳۸ء میں تحریک دارالاسلام کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا۔ اسی عرصہ میں مولانا مودودی کی دعوت پر مولانا صدرالدین اصلاحی دارالاسلام پہونچے۔ ادھر چودھری نیاز علی صاحب کی بعض شرائط اور پابندیوں کو مولانا مودودی نے پسند نہیں کیا اور اختلافات کی بنا پر ۲۶ جنوری ۱۹۳۹ء کو

جمال پور کو خیر باد کہہ کر لاہور منتقل ہو گئے۔ مولانا صدر الدین بھی لاہور تشریف لے گئے۔ لیکن جلد ہی چودھری نیاز علی صاحب نے مولانا مودودیؒ کی شرائط تسلیم کر لیں اور جمال پور واپس آنے کے لیے اصرار کیا۔ مولانا مودودی دوبارہ ۱۵ر جون ۱۹۴۲ء کو جمال پور لوٹ آئے۔ جب تقسیم کے ہنگامے شروع ہوئے اور پوری بستی فساد کی لپیٹ میں آگئی تو مولانا کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو لاہور منتقل ہونا پڑا۔

مولانا صدر الدین اصلاحی ۱۹۴۰ء تک مولانا مودودی کے ساتھ رہے۔ غالباً ۱۹۴۱ء میں اپنے وطن سیدھا سلطان پور لوٹ آئے۔ اور اپنے استاذ مولانا امین احسن اصلاحی کے مشورہ سے رنگون (برما) کے ایک دینی مدرسہ دار العلوم جمعیۃ العلماء، برما میں تدریسی خدمت انجام دینی شروع کر دی۔ ۲۶ر اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں جماعت اسلامی کی تشکیل عمل میں آئی اور مولانا مودودی امیر جماعت مقرر ہوئے۔ مولانا مودودی نے خط لکھ کر مولانا صدر الدین صاحب کو اطلاع دی کہ وہ جماعت کے رکن بنا لیے گئے ہیں۔ مولانا کبھی کبھی مذاق میں کہا کرتے تھے کہ میں جماعت کا بے ضابطہ رکن ہوں۔ مولانا نے جماعت سے اپنے تعلق کا ذکر ایک جگہ اس طرح کیا ہے۔

"میری رکنیت کہئے یا تحریکی وابستگی قبل از تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی ۱۹۳۹ء کے اوائل سے۔ جماعت اسلامی کے قیام سے دو ڈھائی برس پہلے اسی کام کے لیے جس کی خاطر جماعت اسلامی اگست ۱۹۴۱ء میں قائم کی گئی 'دار الاسلام' کے نام سے ایک تحریک کا قیام بمقام جمال پور نزد پٹھان کوٹ پانچ افراد کی تجدید شہادت سے عمل میں آیا تھا۔ ان پانچوں ارکان میں سے ایک یہ ناکارہ بھی تھا۔ بعد میں جب اسی تحریک کا نقشِ ثانی جماعت اسلامی کے نام سے قائم ہوا تو ان دنوں میں رنگون میں تھا جس کے باعث جماعت کے تاسیسی اجتماع میں شرکت نہیں کر سکا تھا۔ بعد میں مولانا مرحوم و مغفور نے مجھے اس کی اطلاع دیتے ہوئے میری اسی رکنیتِ 'تحریک دار الاسلام' کو جماعت اسلامی کی رکنیت قرار دیا تھا۔"

۱۹۳۹ء میں جنگ عظیم ثانی چھڑ گئی ۱۹۴۵ء تک جاری رہی۔ اس سے پوری دنیا کے حالات ہی دگرگوں ہو گئے۔ مولانا برما سے ہندوستان لوٹ آئے۔ اپریل ۱۹۴۵ء میں جماعت کا کل ہند اجتماع اس کے مرکز جمال پور پٹھان کوٹ میں

منعقد ہوا۔ مولانا نے اس میں شرکت کی۔ تقسیم سے پہلے ہی دونوں طرف کے حالات ابتر ہونے لگے اور فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مولانا وطن واپس آگئے اور مدرستہ الاصلاح سرائے میر سے وابستہ ہوگئے اور تین سال تک قرآن مجید اور ادب عربی کی تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ مولانا مودودی نے پاکستان پہونچنے کے بعد، جب حالات کسی قدر معمول پر آئے تو مولانا صدرالدین کو پاکستان آنے کی دعوت دی اور غالباً اس کا انتظام بھی فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہ آپ ہندوستان ہی میں رہیں اور یہاں کی جماعت کی خدمت انجام دیں۔

علمی خدمات

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کو مولانا مودودیؒ کی صحبت اور رفاقت ملی۔ اس سے ان کے جوہر اور کھلے۔ وہ مولانا مودودی کے رفیق ہی نہ تھے بلکہ ان کی برپا کردہ تحریک کے بہترین ترجمان تھے۔ مولانا نے تحریکی فکر کو جو اصلاً اسلامی فکر ہی ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلّل اور مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی تصنیفات 'فریضۂ اقامت دین' 'اسلام اور اجتماعیت' 'معرکۂ اسلام و جاہلیت' اور 'راہِ حق کے مہلک خطرے' اس کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ ان کتابوں کے بعد مولانا کی تصنیف 'تحریک اسلامی ہند' سامنے آئی۔ اس میں جماعت کے نصب العین کی وضاحت کے ساتھ مختلف ادوار میں ہندوستان میں تحریک اسلامی نے جو پالیسی اور طریقۂ کار اختیار کیا اس کی تفصیل موجود ہے۔

مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن کو مولانا صدرالدین صاحب نے وقت کی بہترین تفسیر قرار دیا ہے جو موجودہ ذہن کو یقین و ایمان سے ہم کنار کرتی اور حرکت و عمل پر ابھارتی ہے۔ مولانا نے زندگی کے آخری سالوں میں اس ضخیم کتاب کی اسی کے الفاظ میں تلخیص کی۔ یہ تفسیر کے میدان میں مولانا کی ایک اہم خدمت ہے۔ اس سے مولانا مودودیؒ کی تحریکی فکر کو مزید وسعت حاصل ہوئی ہے۔ ۱۹۸۴ء میں اس کا پہلا ایڈیشن نکلا تھا۔ تب سے ۱۹۹۸ء تک ہندوستان میں اس کے سولہ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ۴۸ ہزار کی تعداد میں اب تک اس کی اشاعت ہوچکی ہے۔ اس سے اس کی

مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض ہندوستانی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہوا ہے۔

مولانا مودودیؒ کی تحریروں میں دین کے اجتماعی اور انقلابی پہلو پر زور ملتا ہے۔ اسے انھوں نے بھرپور طریقے سے پیش کیا ہے۔ مولانا صدرالدین صاحب کی تصنیفات 'اساس دین کی تعمیر' 'حقیقت نفاق' اور 'دین کا قرآنی تصور' میں فرد کی ذات خاص طور پر زیر بحث رہی ہے۔ اس پہلو سے مولانا صدرالدین اصلاحی کی یہ کتابیں مولانا مودودی کے فکر کی تکمیل کرتی ہیں۔ مولانا کی تصنیفات کا مطالعہ ایک مستقل موضوع ہے۔ اللہ نے چاہا تو آئندہ اس پر اظہار خیال ہو سکے گا۔

جماعت اسلامی ہند کے قیام میں مولانا کا حصہ

تقسیم ہند کے بعد ۱۶ر تا ۱۸ر اپریل ۱۹۴۸ء میں ہرواره (الٰہ آباد) میں جماعت اسلامی ہند کی تشکیل عمل میں آئی اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی امیر جماعت منتخب ہوئے۔ اس تاریخی اجتماع میں مولانا نے شرکت فرمائی۔ چند ماہ تک جماعت کا مرکز مدرسۃ الاصلاح سرائے میر رہا۔ اس کے بعد ملیح آباد مرکز بنا لیکن وہاں سے بھی اکتوبر ۱۹۴۹ء میں مرکز رام پور منتقل ہو گیا۔ مولانا بھی جماعت کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے جلد ہی رام پور منتقل ہو گئے اور اب وہ جماعت کے لیے فارغ اور یکسو تھے۔

جماعت میں مولانا کا مقام اور ذمہ داریاں

مولانا جماعت کے مانے ہوئے فکری قائد اور رہنما تھے۔ ان کی فکری عظمت اور بلندی مسلّم تھی۔ وہ جماعت کی فکر کو پوری طرح جذب کیے ہوئے تھے۔ وہ ان نمایاں افراد میں تھے جو اس کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی اور اس کے مقصد اور نصب العین کی طرف راہنمائی کر سکتے تھے۔ جماعت میں مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا تھا۔ جماعت کا دستور اور مزاج جمہوری ہے۔ اس لیے اختلاف رائے کی یہاں ہمت شکنی ہوتی ہے اور نہ اسے ناپسندیدہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود مولانا نے ہمیشہ مولانا ابواللیث صاحب کا ساتھ دیا اور ان سے تعاون کیا۔ مولانا ابواللیث صاحب کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے تمام علمی اور جماعتی وقار کے باوجود اپنی

تحریریں اشاعت سے پہلے اپنے رفقاء خاص کو دکھلایا کرتے تھے۔ ان میں مولانا صدرالدین صاحب نمایاں تھے۔ مولانا ابواللیث صاحب مولانا کے مشوروں کو اہمیت دیتے بلکہ بالعموم ان کی تصحیحات اور ترمیمات کو قبول فرماتے۔

تقسیم ہند کے فوراً بعد مولانا مودودی نے جو شوریٰ نامزد کی اس میں مولانا صدرالدین صاحب کا بھی نام تھا۔ ۱۹۴۸ء میں جب جماعت اسلامی ہند کا قیام عمل میں آیا اور اس کا اپنا علیحدہ نظم قائم ہوا، اس وقت سے ۱۹۹۴ء تک مولانا جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ جماعت کی پالیسی کی تشکیل میں مولانا کا خاص ہاتھ رہا ہے۔ آخری دور میں مسلسل علالت اور صحت کی خرابی کی وجہ سے شوریٰ کے لیے مولانا کا انتخاب عمل میں نہیں آیا۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا مولانا شوریٰ کے اجلاسوں میں پابندی سے شریک ہوتے رہے۔ جب صحت و تندرستی نے ساتھ چھوڑ دیا تو بالواسطہ ان کے مشورے جماعت کو حاصل رہے۔ اس میں انھوں نے کبھی کمی نہیں کی۔ وہ اعظم گڑھ کے ایک قصبہ پھول پور میں رہتے تھے لیکن اس کے باوجود ملک و ملت کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ حافظہ بہت قوی تھا۔ ہر بات مستحضر رہتی۔ جب کوئی مسئلہ چھڑ جاتا تو اس کی پوری تفصیلات بیان کرتے۔ جماعت کا ماضی اور حال ان کے سامنے تھا۔ ان کی رائیں بڑی مدلل ہوتیں۔ ان کی کسی رائے سے اختلاف ہو بھی تو اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

۱۹۵۶ء میں جماعت کی مجلس نمائندگان وجود میں آئی۔ ہر چار سال بعد اس کا انتخاب ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس کے رکن رہے۔ جماعت کے بالکل ابتدائی دور ۴۸ء میں جب مولانا کا قیام مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں تھا حلقہ مشرقی یوپی کے قیم تھے۔ ۱۹۷۵ء میں وہ مولانا ابواللیث صاحب کی اسیری کے زمانہ میں چھ ماہ تک امیر جماعت بھی رہے۔ وہ حلقہ اترپردیش کی شوریٰ کے بھی طویل عرصہ تک رکن رہے۔

جماعت کے کل ہند یا بڑے اجتماعات میں مولانا کے دروس یا مقالات شامل ہوتے۔ جماعت کا پہلا کل ہند اجتماع اپریل ۱۹۵۱ء میں رام پور میں ہوا تھا۔ اس میں مولانا کے دو درس قرآن ہوئے۔ دوسرے بڑے اجتماعات میں بھی مولانا کے دروس کا سلسلہ رہا۔ بعض اوقات اس طرح کے بڑے اجتماعات کے لیے طویل

مقالات بھی لکھے۔ جماعت کے دوسرے کل ہند اجتماع منعقدہ حیدرآباد نومبر ۱۹۵۲ء میں مولانا نے "اسلام کا نظامِ معیشت" کے عنوان سے اپنا قیمتی مقالہ پیش فرمایا جو نظر ثانی کے بعد کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اسی طرح ۲۰ تا ۲۲ رفروری ۱۹۸۱ء کے اجتماع حیدرآباد کے لیے 'مسلمان اور دعوتِ اسلام' کے نام سے مقالہ لکھا۔ مقالہ طویل تھا اس لیے اس کے ضروری حصے راقم نے اجتماع میں سنائے۔ اس مقالہ کی کتابچہ کی شکل میں برابر اشاعت ہورہی ہے۔

مولانا نے جماعت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔ ہر نشیب وفراز میں اس کا ساتھ دیا۔ اس کے لیے ایک سے دو مرتبہ قید وبند کی تکلیف برداشت کی، لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ پہلی مرتبہ ۵۵-۱۹۵۴ء میں سیفٹی ایکٹ کے تحت سال بھر نظر بند رہے اور دوسری مرتبہ ایمرجنسی میں ڈی۔آئی۔آر اور میسا میں بائیس ماہ گزارے۔ جماعت ان کے فکر وعمل کا محور تھی۔ اس کے علاوہ کسی چیز سے انھیں حقیقی دل چسپی نہ تھی۔ وہ ان کے غور وفکر اور گفتگو کا ہمیشہ موضوع بنی رہی اور ہمیشہ اس کے استحکام وترقی کے لیے فکر مند رہے۔ وہ اسے امت کی سربلندی اور اس ملک میں اقامت دین کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ تحریکوں میں ایسے افراد کی بنیادی اہمیت ہوتی ہے اور وہ اس کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں جو صاحبِ فکر اور صاحب الرائے ہونے کے ساتھ مخلص اور با کردار بھی ہوں جن کو دیکھ کر تحریک کی پوری تصویر ابھر آئے اور جو مرجع کی حیثیت رکھتے ہوں۔ مولانا کا شمار جماعت کے ان ہی افراد میں ہوتا تھا۔

بعض اور ذمہ داریاں

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ ادارۂ تحقیق وتصنیف جماعت اسلامی ہند کے صدر تھے۔ جب ایک آزاد سوسائٹی کے تحت ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی وجود میں آیا تو اس کے بھی پہلے صدر وہی تھے۔ جماعت نے پچاس کی دہائی میں جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی دینی تعلیم کے لیے 'ثانوی درس گاہ' قائم کی تاکہ ایک ایسی ٹیم تیار ہو جو جدید علوم کے ساتھ دینی علوم سے بھی آراستہ ہو اور آج کے دور میں اسلام کو فکری اور علمی سطح پر پیش کرسکے۔ یہ

درس گاہ کئی سال تک چلی اور اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔ اس کی نظامت مولانا ہی کے حوالہ ہوئی۔ مولانا نے اپنے رفقاء سے مشورہ کے بعد اس کا چھا رسالہ نصاب مرتب کیا جس میں خاص طور پر قرآن مجید، حدیث، فقہ اور ادب عربی پر زور تھا۔ اس طرح کے ادارہ کی ضرورت و اہمیت پر مقالہ لکھا جو اس نصاب کے ساتھ شائع ہوا۔ پھول پور میں قیام کے دوران مشہور دینی درس گاہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ کے کئی سال تک ناظم رہے۔ دعوت ٹرسٹ دہلی اور بورڈ آف اسلامک پبلیکیشنز کے ممبر تھے۔ آل انڈیا پرسنل لاء بورڈ کے اساسی ارکان میں شامل تھے۔

مولانا سے میرا تعلق

یہ ۱۹۵۲ء کی بات ہے کہ جامعہ دارالسلام عمرآباد سے فارغ ہوئے مجھے دو تین ماہ ہی گزرے تھے کہ اپنے استاذ محترم مولانا سید امینؒ کے ساتھ میں رام پور آیا۔ اس وقت جماعت کے تین رہنما مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ (امیر جماعت) مولانا محمد یوسفؒ (قیم جماعت) اور مولانا سید حامد علیؒ (مدیر ماہنامہ زندگی) ـــ سب ہی اللہ کے حضور پہونچ چکے ـــ سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار تھے۔ مولانا صدرالدین اصلاحی امیر جماعت تھے۔ مولانا ایک چھوٹے سے مکان یا کوارٹر میں قیام پذیر تھے ـــ مرکز کے دیگر رفقاء کی قیام گاہیں بھی اسی نوعیت کی تھیں ـــ اسی مکان میں مولانا سید امین صاحب کے ساتھ صبح ناشتہ پر مولانا سے میری پہلی بار ملاقات ہوئی۔ مولانا نے اپنے قریبی رفقاء سے مشورہ کے بعد مرکز میں میرے قیام کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے بعد ایک اور ملاقات ہوئی۔ مولانا نے فرمایا کہ ثانوی درس گاہ کے طلباء کو مولانا جلیل احسن ندویؒ قرآن شریف پڑھاتے ہیں۔ تم ان کے درس میں شریک رہو۔ میں نے حدیث سے بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں شوکانی کی نیل الاوطار کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے پسند فرمایا۔ یہ ثانوی درس گاہ کا دورِ عروج تھا۔ یہاں دین کا علم حاصل کرنے اور اقامتِ دین کے جذبہ سے سرشار جدید تعلیم یافتہ دس بارہ نوجوان جمع تھے۔ میرا قیام ان ہی کے ساتھ تھا۔ استاذ محترم مولانا جلیل احسن ندویؒ قرآن مجید کا جن درجات کو درس دیتے ان سب میں شریک ہوتا اور حدیث کا مطالعہ خود سے کرتا رہا۔ اس کے بعد مولانا سے کسی موضوع پر

میری بات چیت نہیں ہوئی۔ مولانا کے لیے اپنی جماعتی ذمہ داریوں کی وجہ سے ایک ادنیٰ سا معمولی طالب علم کی طرف توجہ کرنی مشکل بھی تھی۔ اور میں اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے زیادہ قریب ہونے میں تکلف محسوس کرتا تھا۔ میری آمد پر دو تین ہی ماہ نہ گزرے ہوں گے کہ مولانا صدرالدین صاحب، مولانا محمد شفیع مونس صاحب (جو اس وقت قیم جماعت تھے) اور مولانا عبدالحیٔ صاحب (مدیر الحسنات) سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد جناب سید عبدالقادر صاحب اور پھر جناب سید حامد حسین صاحب امیر جماعت مقرر ہوئے۔ مولانا کی گرفتاری پر پانچ چھ ماہ کی مدت گزری ہو گی کہ مولانا ابواللیث اصلاحیؒ اور ان کے ساتھ گرفتار شدہ دونوں رفیق رہا ہو کر مرکز تشریف لے آئے۔ مولانا صدرالدین اصلاحی نے بھی اپنے دونوں رفقاء کے ساتھ سال بھر سنتِ یوسفی ادا کی۔

میں جب رام پور پہونچا تو مرکز کی ذاتی عمارت نہ تھی۔ جماعت کے ایک ہمدرد نے ایک قدیم طرز کی وسیع عمارت مرکز کے استعمال کے لیے دے رکھی تھی۔ اس میں مرکز کے دفاتر تھے اور اسی سے متصل کوارٹرس میں مرکز کے بیشتر ذمہ داروں کا قیام تھا۔ مولانا ابواللیث اصلاحی اور مولانا محمد یوسف (قیم جماعت) نظم جماعت کے براہِ راست نگراں تھے۔ مولانا سید حامد حسین صاحبؒ اور محترم محمد شفیع مونس صاحب کبھی حلقوں کے ذمہ دار ہوتے اور کبھی مرکز میں قیم جماعت کے معاونین کے طور پر خدمت انجام دیتے۔ بعد کے دور میں جناب افضل حسین خاں صاحب معاون قیم اور پھر قیم جماعت مقرر ہوئے۔

مولانا صدرالدین صاحب مرکز میں ذمہ دارانہ حیثیت کے مالک تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت تصنیف و تالیف کے کام میں صرف ہوتا تھا۔ مولانا سید حامد علی صاحب نے ماہنامہ زندگی کی ادارت سنبھال رکھی تھی۔ یہ دونوں حضرات جماعتی امور و مسائل میں امیر جماعت کے ساتھ شریکِ مشورہ بھی رہتے۔ مولانا جلیل احسن ندوی ثانوی درس گاہ میں قرآن مجید اور ادب عربی کے استاذ تھے۔ یہ درس گاہ مرکز ہی سے متصل تھی۔ زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ مولانا سید احمد عروج قادریؒ بھی تشریف لے آئے۔ مولانا کا تعلق ماہنامہ زندگی سے تھا۔ پھر ثانوی درس گاہ میں ان کی ضرورت محسوس کی گئی تو وہاں منتقل ہو گئے۔ آخر میں دوبارہ زندگی کی ادارت سنبھالی اور آخری لمحات تک اس کے مدیر رہے۔ اس طرح جماعت کے بعض چوٹی کے اصحاب علم ایک چھوٹی سی جگہ میں جمع تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا

کرم واحسان ہے کہ مجھے اس علمی ماحول میں قیام کا موقع ملا۔ مرکز کے اصحاب علم سے کسی بھی وقت استفادہ اور تبادلہ خیال میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

دور طالب علمی ہی سے مجھے مضمون نویسی کا شوق رہا۔ اس دور میں بعض مضامین اخبارات ورسائل میں شائع بھی ہوئے۔ اور ۱۹۵۲ء میں باقاعدہ اس طرف توجہ ہوئی اور میرے مقالات ماہنامہ زندگی، ماہنامہ فاران کراچی، ماہنامہ تجلی دیوبند اور دعوت وغیرہ میں چھپنے لگے۔ اسی مدت میں 'اسلام کا شورائی نظام' پر میں نے اپنی کتاب مرتب کی جو بعد میں ماہنامہ زندگی رام پور اور ماہنامہ میثاق لاہور میں بالاقساط شائع ہوئی اور پاکستان سے کتابی شکل میں بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ ۱۹۵۶ء میں تصنیف وتالیف کے لیے میرا باقاعدہ تقرر عمل میں آیا۔ اسی زمانہ میں مولانا وحیدالدین خاں کے مضامین اور مقالات بھی اخبارات ورسائل میں چھپنے لگے اور وہ مرکز بلا لیے گئے۔ جب اس کام کے لیے ایک سے تین افراد ہو گئے تو مرکز میں شعبہ تصنیف مولانا صدرالدین صاحب کی سربراہی میں قائم ہو گیا۔

مولانا سے تبادلہ خیال اور استفادہ

ہم لوگ مرکز (رام پور) میں ایک ہی جگہ بیٹھتے تھے۔ ایک لمبا سا دالان تھا۔ تختوں کے ذریعہ اسے تین کمروں کی شکل دے دی گئی تھی۔ دائیں جانب پہلا کمرہ مولانا صدرالدین صاحب کی نشست گاہ تھی، دوسرا کمرہ جو نسبتاً بڑا تھا اس میں مولانا وحیدالدین خاں اور خاکسار بیٹھتے تھے۔ تیسرا کمرہ مولانا سید حامد علی صاحب کا دفتر تھا۔ ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک میز اور ایک کرسی تھی۔ دو ایک زائد کرسیاں تھیں جو مہمانوں کی آمد پر ادھر سے ادھر ہوتی رہتی تھیں۔ اسی دالان سے متصل ایک بڑے سے کمرے میں لائبریری تھی۔ اس کا نظم ابتدائی چند سال تک مولانا افضال الحق صاحب رام پور کے ہاتھ میں رہا۔ پھر میری طرف منتقل ہو گیا۔ طویل عرصہ تک میں اس کا نگراں رہا۔

مولانا صدرالدین صاحب سے استفادہ اور تبادلہ خیال کا کوئی متعین وقت نہ تھا۔ جب کوئی نئی بات ذہن میں آتی یا کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیدا ہوتا یا دوران مطالعہ کوئی بات سمجھنے کی ہوتی، مولانا کے پاس پہونچ جاتا۔ مولانا مطالعہ یا تحریر وتسوید کے

کسی بھی کام میں مصروف ہوں، فوراً توجہ فرماتے اور جواب سے بہرہ ور کرتے۔ ایسا شاید ہی کبھی ہوا ہو کہ بات کسی دوسرے وقت کے لیے ٹال دی ہو۔ مولانا سید حامد علی صاحب بھی مولانا سے برابر استفادہ اور تبادلۂ خیال کرتے رہتے۔

ایک زمانہ میں مولانا صدرالدین صاحب اور مولانا محمد شفیع مونس صاحب بعد عصر ٹہلنے جایا کرتے تھے۔ میں بھی ساتھ ہوتا۔ اس دوران دنیا جہان کی باتیں ہوتیں۔ دعوتی اور تحریکی مسائل بھی زیر بحث آتے۔ مجھے اس میں شرکت کا موقع ملتا۔

مولانا نے ایک مرتبہ بعد مغرب درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اس میں مولانا سید حامد علی صاحب، محترم محمد شفیع مونس صاحب، مولانا عبدالحئی (مدیر الحسنات) جیسے بزرگ اصحاب کے ساتھ مجھ جیسے طالب علم بھی ہوتے۔ مولانا چند آیات کا درس دیتے، اس پر تبادلۂ خیال ہوتا۔ یہ بابرکت اور مفید سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہ سکا۔ لیکن جب تک جاری رہا بڑا فائدہ ہوا۔ فہم قرآن کے بعض نئے پہلو سامنے آئے اور قرآن مجید سے تعلق میں اضافہ ہوا۔

مولانا سے تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں برابر مشورہ ہوتا رہتا۔ یہ مشورہ زیادہ تر زبانی ہوتا۔ کبھی کبھی میری درخواست پر مولانا کوئی مضمون دیکھ بھی لیا کرتے تھے۔ وحیدالدین خاں صاحب بھی اپنی خاص خاص تحریریں مولانا کو دکھایا کرتے تھے۔ ہمارے مضامین ماہنامہ زندگی میں پابندی سے شائع ہوتے رہتے تھے۔ کبھی کوئی چیز پسند آتی تو خوشی کا اظہار فرماتے۔ یاد پڑتا ہے کہ عبادت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر میرا ایک طویل مضمون زندگی میں ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ اس کی ایک قسط میں شرک پر قرآن مجید کی روشنی میں تنقید تھی، اس کی تعریف کی۔ مولانا اپنی رائے از خود بہت کم ظاہر کرتے۔ دریافت کرنے پر بتاتے۔ میں نے اپنی کتاب 'عورت — اسلامی معاشرہ میں' کا مسودہ مولانا کی خدمت میں پیش کیا تو کہا ٹھیک ہے اسے چھپنے دو۔ میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ کم از کم اس کے دو ایک مباحث جو اختلافی ہو سکتے ہیں انھیں دیکھ لیں تو وہ مباحث دیکھے اور مشورے دئے۔ 'خدا اور رسول کا تصور' کا مسودہ پورا دیکھا۔ ہمت افزائی کے طور پر کہا کہ توحید و رسالت پر ہمارا استدلال سادہ سا ہوتا ہے۔ تمہاری کتاب کے مباحث خالص فلسفیانہ ہیں۔ انھیں مزید آسان کردو۔ اس کی ترتیب بھی بدل دو۔ میں نے ان مشوروں سے فائدہ

اٹھانے کی کوشش کی۔ 'اسلام کی دعوت' کا مسودہ پیش کیا تو اس کے بعض حصے دیکھے اور مشورے دئے۔ میرا تو جی چاہتا تھا کہ مولانا میری ہر کتاب کو چھپنے سے پہلے دیکھ لیں۔ لیکن مولانا اس کا موقع نہیں نکال پاتے تھے۔ اسی دور میں ایک مرتبہ اصرار کیا تو کہا کہ اب اس کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ مولانا کی وسعت ظرف تھی کہ وہ کبھی کبھی ہم جیسے طالب علموں سے بھی مشورہ کرتے۔ مولانا کی کتاب 'اسلام ایک نظر میں' بہت مقبول ہے۔ مولانا اس کا نام 'اسلام کا نظام حیات' یا 'اسلام کا تعارف' جیسا رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے موجودہ نام تجویز کیا تو اس سے اتفاق کیا اور کہا کہ بجا س فی صد اجر و ثواب کے تم مستحق ہو گئے۔ اس کی تحریر کے زمانہ میں میں نے پروفیسر خورشید احمد کی مرتب کردہ کتاب 'اسلام کا نظام زندگی' کا ذکر کیا تو اسے اپنے مطالعہ میں رکھا۔ مولانا کی اس کتاب کا مسودہ یا مبیضہ غالباً میرے پاس موجود ہوگا۔ اسی طرح مولانا قرآن مجید کا تعارف' جب لکھ رہے تھے تو فرمایا تم بہت سی چیزیں پڑھتے رہتے ہو اس موضوع پر کوئی جامع کتاب بتاؤ۔ میں نے ایک کتاب کی نشان دہی کی تو اسے دیکھا اور اس سے فائدہ اٹھایا۔ اس کے نام میں بھی عاجز کا مشورہ شامل تھا۔ 'دین کا قرآنی تصور' لکھتے وقت تصوف پر بحث کے سلسلے میں میں نے 'شریعت و طریقت' کا ذکر کیا تو اسے پیش نظر رکھا اور اس کے حوالے دئے۔ یہ کتاب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ ایک اور کتاب 'تاریخ تصوف قبل از اسلام' کے حوالے بھی مولانا کی اس کتاب میں موجود ہیں۔ اس کی طرف بھی راقم ہی نے توجہ دلائی تھی۔ میں نے کہا کتاب کا نام 'قرآن کا تصور دین' ہو تو زیادہ رواں ہوگا۔ مولانا نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ جس پہلو پر کتاب میں زور دیا گیا ہے اس کے لیے 'دین کا قرآنی تصور' ہی مناسب ہے۔ مولانا نے اپنی کتاب 'نکاح کے اسلامی قوانین' کی ترتیب کے دوران میرے بعض مضامین جو زندگی میں شائع ہو چکے تھے خاص طور پر طلب کیے اور دیکھے۔

بعض اوقات مولانا سے کسی نے کسی علمی مسئلہ پر تفصیلی ملاقات چاہی تو مولانا نے خرابی صحت کی بنا پر اس عاجز کی طرف رجوع کا اسے مشورہ دیا۔ دو ایک مرتبہ ایسے خطوط بھی میرے پاس روانہ کر دئے جو علمی نوعیت کے یا براہ راست جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا فراہیؒ کی کتاب 'اسالیب قرآن' نئی نئی شائع شدہ مولانا کے ہاتھ میں دیکھی اور مطالعہ کی خواہش ظاہر کی تو مولانا نے کتاب دے دی۔ فرمایا۔ کتاب تمہارے لیے

ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس پر تبصرہ کروگے ۔ افسوس کہ میں اس پر تبصرہ نہیں کرسکا ۔

ادارۂ تحقیق سے تعلق

رام پور میں میرا قیام پندرہ سولہ برس رہا ۔ اس دور کی کن کن باتوں کو یاد کیا جائے ۔ جولائی ۱۹۷۰ء میں ادارۂ تصنیف علی گڑھ منتقل ہوا ۔ اس سے پہلے مولانا وحید الدین خاں جماعت اور ادارہ سے علٰحدگی اختیار کرچکے تھے ۔ محترم مولانا محمد یوسف اصلاحی بھی ادارہ سے وابستہ تھے لیکن ذاتی وجوہ کی بنا پر انھوں نے قیام رام پور کو ترجیح دی ۔ ادارہ کے ایک اہم رکن مولانا محمد فاروق خاں صاحب اس سے پہلے مرکز دہلی منتقل ہوچکے تھے ۔ مولانا اور اس خاکسار نے رخت سفر باندھا اور ایک ساتھ علی گڑھ روانہ ہوگئے ۔ مولانا تنہا تھے ۔ میرے ساتھ اہلیہ اور دو چھوٹے بچے تھے ۔ مولانا نے بمشکل ایک ماہ قیام کیا ہوگا پھر اپنے وطن ثانی پھول پور تشریف لے گئے ۔

۱۹۸۰ء کے اواخر میں جماعت کی اجازت سے ادارۂ تصنیف کو آزاد ادارہ کی حیثیت دی گئی اور ایک رجسٹرڈ سوسائٹی کے طور پر اس کا قیام عمل میں آیا ۔ پہلے اس کا نام ادارۂ تصنیف اسلامی اور بعد میں اس عاجز کے مشورہ سے ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی تجویز ہوا ۔ مولانا اس کے صدر اور خاکسار سکریٹری مقرر ہوا ۔ ۱۹۷۰ء ہی سے مولانا کا قیام زیادہ تر پھول پور میں رہنے لگا ۔ سال میں دو ایک بار ہفتہ دس دن کے لیے علی گڑھ تشریف لاتے ۔ یہ سلسلہ بھی زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہ سکا ۔ اپنی مسلسل علالت اور علی گڑھ سے فاصلہ کی بنیاد پر اکتوبر ۱۹۸۵ء میں مولانا نے ادارہ اور اس کی ذمہ داری سے باصرار سبک دوشی اختیار کرلی اور برادر محترم مولانا محمد فاروق خاں صاحب صدر مقرر ہوئے ۔

سہ ماہی تحقیقات اسلامی

جنوری ۱۹۸۱ء میں مولانا کے مشورہ سے ادارہ کا ترجمان سہ ماہی 'تحقیقات اسلامی' جاری ہوا ۔ مولانا کا ارادہ تھا کہ وہ قرآنیات سے متعلق کچھ نہ کچھ اس کے لیے لکھتے رہیں گے ۔ لیکن صرف دو ایک نگارشات ہی مجلہ کی زینت بن سکیں ۔ تحقیقات اسلامی کی لوح پر

مولانا کا نام بہ حیثیت نگراں شروع میں چھپنے لگا تو مولانا نے بار بار اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ ذہنی یکسوئی چاہتے ہیں اور کسی بھی قسم کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک سال بعد مولانا کی خواہش کے احترام میں اس کی اشاعت روک دی گئی۔ سنہ ۱۹۷۱ء سے ادارہ کی علمی اور انتظامی ذمہ داریاں عملاً اس خاکسار پر تھیں اور ۱۹۸۱ء سے 'تحقیقات اسلامی' کی ذمہ داری بھی آن پڑی۔ بحمد اللہ اب تک یہ عاجز یہ بوجھ کسی نہ کسی طرح اٹھا رہا ہے۔

ادارہ کی مطبوعات کا آغاز مولانا کی کتاب 'معرکہ اسلام و جاہلیت' سے ہوا۔ بعد میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی جو برادرم ڈاکٹر اسرار احمد خاں کے قلم سے ہے ادارہ ہی نے شائع کیا۔ مولانا کے بعض رسائل کے انگریزی ترجمے بھی ادارہ سے شائع ہوئے۔

مولانا کا قیام جب علی گڑھ سے باہر ہوتا تو خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا۔ مولانا کے بہت سے خطوط میرے پاس ہوں گے۔ یہ علمی نوعیت کے نہیں ہوتے تھے۔ زیادہ تر ذاتی مسائل یا انتظامی امور سے متعلق ہوتے۔

جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ کی مجلس انتظامیہ کا میں رکن تھا۔ انتظامیہ نے سر میں مجھے مجلس تعلیمی کا بھی رکن منتخب کرنا چاہا تو میں نے معذرت کی کہ اس کے اجلاس جلد جلد ہو سکتے ہیں اس لیے میری اس میں شرکت مشکل ہے۔ مولانا قریب ہی تشریف فرما تھے، تجویز کی تائید کی اور چپکے سے کہا کہ قبول کر لو۔ اس بہانہ تم سے ملاقات ہوتی رہے گی۔ بعد میں ناظم جامعہ اور شیخ الجامعہ کی حیثیت سے میرا انتخاب ہوا تو مولانا مجلس میں نہیں تھے۔ ملاقات ہوئی تو مسکرا کر فرمایا دیکھیں اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہو۔ جب بھی جامعہ جانا ہوتا میں ملاقات کے لیے ضرور پھول پور حاضر ہوتا۔ اس طرح سال میں دو ایک بار ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ اس عرصہ میں غالباً صرف ایک بار نہیں پہونچ سکا۔ کبھی مولانا بر بنائے محبت دریافت فرماتے کہ جامعہ میں کب تک قیام کروگے اور پھر اس دوران بلریا گنج آنے اور قیام کرنے کی زحمت برداشت کرتے۔ انتظامی نشستوں کے بعد جو خالی وقت ہوتا وہ مولانا کے ساتھ گزرتا اور خلوص و محبت کی باتیں کانوں میں رس گھولتی رہتیں۔

جولائی ۱۹۹۶ء میں جماعت کی شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ میرا قیام زیادہ تر مرکز میں رہے گا۔ مولانا کو اس کی اطلاع ملی تو بعض دوستوں سے کہا کہ مجھے سب سے زیادہ خوشی اس فیصلہ سے

ہوئی ہے ۔ اس کا قیام مرکز میں ہونا چاہیے ۔

اس زمانہ میں مولانا کا قیام چند ماہ کے لیے اپنی چھوٹی صاحب زادی کے ہاں دہلی میں تھا ۔ اس دوران میں مسلسل ملاقاتیں رہیں ۔ میں نے کہا مولانا ! دو ایک دن مرکز میں قیام کیجئے ! فرمایا رات میں قیام مشکل ہے ۔ بیماری کی وجہ سے میرے خاص معمولات ہیں ۔ اس سے زحمت ہوگی ۔ دن میں کسی وقت آؤں گا ۔ دو ایک بار تشریف لائے ۔ بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں ۔ فرمایا اپنا آفس دکھاؤ ۔ دیکھا ۔ کہا ابھی ضرورت کی چیزیں کتابیں وغیرہ نہیں ہیں اس کا نظم کرلو ۔ تمہاری قیام گاہ کہاں ہے ؟ وہ بھی دیکھی ۔ کہا ٹھیک ہے ۔ اب میں تھک گیا ہوں ۔ تھوڑی دیر تمہارے بستر پر لیٹوں گا ۔ لیٹ گئے ۔ کس قدر تعلق خاطر ، خلوص اور محبت تھی ۔ بہت دنوں تک یہ یادیں ذہن میں تازہ رہیں گی ۔ انھیں کیسے فراموش کرسکتا ہوں ۔

اعلان ملکیت سہ ماہی تحقیقات اسلامی ۔ فارم ۴ رول ۹

۱۔ مقام اشاعت : پان والی کوٹھی ، دودھ پور ، علی گڑھ ۔

۲۔ نوعیت اشاعت : سہ ماہی

۳۔ پرنٹر پبلشر : سید جلال الدین عمری

۴۔ قومیت : ہندوستانی

پتہ : پان والی کوٹھی ، دودھ پور ، علی گڑھ ، یوپی ۔

۵۔ ایڈیٹر : سید جلال الدین عمری

پتہ : پان والی کوٹھی ، دودھ پور ، علی گڑھ ، یوپی

۶۔ ملکیت : ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی ، دودھ پور ۔ علی گڑھ ، یوپی

بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی

(۱) مولانا محمد فاروق خاں (صدر) بازار چتلی قبر ، دہلی ۶

(۲) ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی ۔ فریدی ہاؤس ، سرسید نگر علی گڑھ

(۳) جناب امین الحسن رضوی (رکن) ۲۰/۵ ۔ ۲ ۔ کے شاہین بنوی ۔ ذاکر نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

(۴) ڈاکٹر محمد رفعت ۔ شعبۂ فزکس ، جامعہ ملیہ ۔ نئی دہلی

(۵) مولانا کوثر یزدانی ۱۳۵۲ ۔ بازار چتلی قبر ۔ دہلی

(۶) ٹی ۔ کے عبداللہ ۔ الاقمن کنڈی ہاؤس ۔ پلیری ، کالی کٹ ۔

(۷) ڈاکٹر حمید اللہ ۔ مزمل منزل کمپلکس ، علی گڑھ

(۸) ڈاکٹر احمد سجاد ۔ طارق منزل ۔ بریاتو ہاؤسنگ کالونی ۔ رانچی ۔

(۹) ڈاکٹر عبد الحق انصاری ۔ ' الریحان ' مزمل منزل ۔ علی گڑھ

(۱۰) محمد جعفر ۔ دعوت نگر ۔ ابو الفضل انکلیو ۔ نئی دہلی ۔ ۲۵

(۱۱) سید جلال الدین عمری (سکریٹری)

پان والی کوٹھی ، دودھ پور ، علی گڑھ

مندرجہ معلومات میری علم و یقین کی حد تک بالکل درست ہیں ۔

پبلشر : سید جلال الدین عمری ۔